

Jahaiz Ki Lanat

[۱] عمران ہمارے ہی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ سیلاب سے تباہی میں اس کا گھر بار ماں باپ اور ان کا مال واسباب سبھی سیلابی ریلے کی نذر ہو گیا۔ خدا کی قدرت کہ عمران جو اس وقت بارہ برس کا ایک کم سن لڑکا تھا، کسی طرح امدادی کارکنوں کے ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے اس کو کشتی میں ڈال لیا اور عمران کی جان بچ گئی۔ جان نوبچ گئی لیکن اس کا اب اس دنیا میں کوئی نہ رہا تھا۔ ان دنوں میرے شوہر اس امدادی ٹیم کے نگران تھے جو سیلابی ریلے کے پانی میں بہتے ہوئے لوگوں کی جانیں بچانے کا کام کر رہے تھے۔ وہ عمران کو گھر لے آئے۔ اور مجھ سے کہا کہ اس بچے کے والدین کو سیلاب کا پانی نکل گیا ہے اور بہاؤ xax0 ہمارے ہی گاؤں کا بچہ ہے۔ اب تم ہی اس کی دیکھ بھال کرو گی۔ یہ آج سے ہماری بھی اولاد ہے، اس نیکی کے بدلے ہماری اولاد بھی خیر و عافیت سے رہے گی۔ میں نے عمران کی معصوم صورت پر نگاہ ڈالی تو میرا دل موم ہو گیا اور اس کی دیکھ بھال کا ذمہ لے لیا۔ وہ گاؤں کے اسکول میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ ہم نے اس کو ساتویں میں اسکول داخل کروادیا اور جو ماسٹر صاحب میرے بچوں کو ٹیوشن دینے آتے تھے وہی اسے بھی پڑھائی میں مدد دینے لگے۔ اس طرح اس نے میٹرک پاس کر لیا تو سعید نے اس کو ایک ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ میں داخل کرا دیا۔ جہاں سے اس نے الیکٹریشن کا دو سالہ کورس مکمل کر کے ڈپلوما حاصل کر لیا۔ میرے شوہر کو نزدیکی شہر میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازمت مل گئی کیونکہ وہ انجینئرنگ کی ڈگری رکھتے تھے۔ ان کو کمپنی نے اس شعبے کا انچارج بنادیا جو ملکی لیبرز کو بیرون ملک بھجواتی تھی۔ عمران ڈپلوما حاصل کر چکا تھا۔ ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ اس کے مستقبل کی بھی فکر تھی۔ ہمارے بچے تو اب شہر کے کالج میں پڑھ رہے تھے لیکن عمران مزید پڑھائی تو جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ میری بچیاں بڑی ہو گئی تھیں اس لئے ہم نے اسے سروئنٹ کوارٹر رہنے کے لئے دے دیا۔ عمران ایک شریف طبیعت اور سیدھا سادہ نوجوان تھا، تبھی ماسٹر صاحب جو میرے بچوں اور عمران کو بھی ٹیوشن پڑھانے آیا کرتے تھے ایک روز ہمارے گھر آئے اور سعید سے کہا۔ صاحب میں ایک ریٹائرڈ اسکول ٹیچر ہوں۔ زیادہ امیر نہیں ہوں پنشن اور ٹیوشن پر گزارہ ہے۔ میری ایک ہی بیٹی ہے جو شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے۔ اس کے فرض سے سبک دوش ہونا چاہتا ہوں کسی اچھے نیک لڑکے کی تلاش ہے۔ بنائے ماسٹر صاحب اس سلسلے میں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ آپ نے جو عمران کو پالا ہے، اچھی تربیت دی اور ڈپلوما کورس بھی کرا دیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ آپ کے توسط سے اس کو داماد بنالوں تو بیٹی اپنے گھر کی بوجائے گی۔ عمران بولے۔ ماسٹر صاحب میں اس سلسلے میں آپ کی ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں لیکن ابھی عمران ہر سرروزگار نہیں ہے اور رہتا بھی ہمارے سروئنٹ کوارٹر میں ہے۔ اس بات کی آپ فکر نہ کریں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے میں اسے گھر داماد بنالوں گا اگر وہ راضی ہو جائے تو اور جہاں تک اس کی نوکری کا مسئلہ ہے۔۔۔ میرا دوست گورنمنٹ ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ کا پرنسپل ہے، وہاں آسامیاں نکلتی رہتی ہیں۔ میں اس کو کہہ کر اس بچے کو ٹیکنیکل ادارے میں ٹیچر لگوا دوں گا جب تک نوکری نہیں لگتی میرے دوست کے پاس کام سیکھنے کو اتارے گا تو تجربہ بھی حاصل ہو جائے گا سعید بولے ماسٹر صاحب یہ نیکی کا کام ہے۔ میں خود اس بارے میں فکرمند تھا۔ عمران کو بلاتا ہوں آپ اس سے خود بات کر لیں وہ راضی ہو جائے گا کیونکہ اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ عمران کو میرے شوہر نے بلوایا اور ماسٹر صاحب نے اس سے بات کر کے قائل کر لیا کہ وہ ان کے ساتھ جاکر پرنسپل صاحب کے پاس انسٹیٹیوٹ میں اپنے کام سے متعلق کچھ تجربہ حاصل کر لے تو وہ اسے دو سالہ تجربے کا سرٹیفکیٹ بنوادیں گے اس طرح اسے بطور جونیئر ٹیکنیکل ٹیچر ملازمت مل سکے گی۔ عمران کو بھی ملازمت کی آرزو تھی۔ وہ ماسٹر صاحب کے ساتھ چلا گیا اور اس نے ایک اچھے پرائیویٹ ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ جاکر تھوڑے عرصے پر اس تجرباتی ملازمت کو قبول کر لیا۔ دو سال وہاں کام کرنے کے بعد گورنمنٹ انسٹیٹیوٹ میں جونیئر ٹیچر کی آسامیاں نکل آئیں اور ماسٹر صاحب کی کوششوں سے بالآخر اس کو ملازمت مل گئی۔ ماسٹر صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی عمران سے کر دی۔ سعید کو بھی خوشی ہوئی کہ جس لاوارث بچے کو سہارا دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے کھول دیئے تھے۔ روزگار کے ساتھ ساتھ اس کا گھر بس گیا اور وہ ایک خاندان کا فرد بھی بن گیا۔ عمران کو ملازمت تو حاصل ہو گئی لیکن تنخواہ کم تھی تاہم گھر ماسٹر صاحب کا تھا، لہذا ان کا اچھا گزارہ ہو رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی ہم سے ملنے آتا، اپنی بیوی کو بھی لے آتا جو سلیقہ شعار، صابر و شاکر تھی اور اپنے شوہر کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عمران کو تین لڑکیوں سے نواز دیا۔ اب قلیل آمدنی میں گزارہ مشکل تھا لیکن سسر صاحب اس کی مدد کرتے اور وہ ان کی خدمت کرتا رہا۔ جوں توں وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ اس کی بچیاں بڑی ہو گئیں۔ ان دنوں بڑے شہروں کی طرح گاؤں میں بھی بیٹیوں کو جہیز دینے کا رواج چل نکلا۔ وہ جو پہلے اپنی بچیوں کو چاندی کے ایک آدھ زیور اور دو جوڑے کپڑوں میں رخصت کرتے تھے، اب ان کو جہیز کی لعنت سے پالا پڑ گیا کیونکہ طویل عرصے کی بے روزگاری کے باعث یہاں کے اکثر مردوں نے محنت مزدوری کے لئے دیگر ممالک کا رخ کر لیا تھا۔ ریال، درہم یہاں تک کہ ڈالروں کی صورت میں آمدنی کو وہ جب پاکستانی کرنسی میں تبدیل کرتے تو ان کے گھروں میں اتنی رقم پہنچ جاتی تھی جس سے وہ اشیائے ضرورت بھی گھروں میں آنے لگیں، جن کا پہلے یہ غریب طبقہ صرف خواب دیکھ سکتا تھا۔ ان کے گھروں میں اب ٹی وی، ریفریجریٹر اور وی سی آر پہنچ گئے تھے۔ اکثر جب دو تین سال بعد یہ گاؤں آتے تو سوٹ کیس قیمتی ملبوسات سے بھرے ہوتے، ساتھ ہی مخملی کمبل، استریاں، پلاسٹک کے ڈنر سیٹ اور اسی طرح کے دیگر اسباب بھی لاتے جو ان کی بچیوں کے جہیز میں دینے کے لئے ہوتے تھے۔ دولت جہاں انسان کے لئے آرام لاتی ہے وہاں کچھ بے سکونی بھی لاتی ہے اور غریب آدمی کو سے بڑی بے سکونی اس وقت ہوتی ہے جب وہ نمودونمائش کے چکر میں پھنس کر لالچ کی دلدل میں گر جاتا ہے۔ دولت اگر ضرورت کے مطابق آجائے تو بہت اچھا ہے، لیکن ضرورت سے زیادہ ہو تو یہ بدعتوں کا باعث بن جاتی ہے۔ یہی حال عمران کے پرسکون گاؤں کا بھی ہوا، جہاں بیٹیوں کو جہیز دینا رواج بن گیا۔ ایک کی دیکھا دیکھی اوروں نے بھی بڑھ چڑھ کر جہیز بنادیا، پھر تو لوگوں کے دلی سکون اور بے فکری کو نمودونمائش کے اس عفریت نے نگلنا شروع کر دیا اور مقابلے کی بھاگ دوڑ نے وہاں کی صورت اختیار کر لی۔ جس گاؤں کے ماسٹر صاحب تھے، عمران کا تعلق اسی جگہ سے تھا۔ یہاں ماسٹر صاحب کے رشتے داروں کے گھر آباد تھے، جن سے ان کی نواسیوں کے رشتے ہوسکتے تھے۔ ماسٹر صاحب کے ساتھ ساتھ عمران کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ گھرانے کا بوجھ اٹھانے کے ساتھ بیٹیوں کے لئے جہیز بھی بناسکتا۔ ماسٹر صاحب کا انتقال ہو گیا تو ان کی پنشن بھی بند ہو گئی۔ ایسے میں عمران کی بچیوں کے رشتے کیونکر اچھے گھرانوں میں

کر کسی کھاتے پیتے ہوسکتے تھے کہ جن لڑکیوں کے لباس میں پیوند لگے تھے۔ اس گھرانے کی خستہ سالی دیکھ گھر سے بچیوں کا رشتہ نہ آیا تو عمران کو اپنی کم مائیگی کا بے حد احساس رہنے لگا۔ تبھی ایک دن وہ شہر آکر سعید سے ملا اور اپنی مشکلات کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے عمران کو تسلی دی اور کہا تمہیں اگر طویل چھٹی مل سکتی ہے تو لے لو۔ میں تمہارا ویزا لگوا دیتا ہوں۔ میں خود سعودیہ عربیہ جاربا ہوں، تمہیں ساتھ لے جائوں گا۔ وہاں تمہارے جیسے کام کرنے والوں کی مانگ آئی ہوئی ہے۔ اگر تم کو سہولت محسوس ہو تو نوکری سے استعفیٰ دے دینا وگرنہ واپس آجانا۔ عمران نے ان کی بات مان لی اور تین ماہ کی چھٹی لے لی۔ وہ میرے شوہر کے ہمراہ سعودیہ عربیہ چلا گیا۔ وہ کمپنی کے معاہدے پر آیا تھا کام تو محنت کا تھا مگر تنخواہ اچھی تھی۔ سال دو سال میں ہی اس کے دن پھر سکتے تھے۔ اس نے بھی لگن سے کام کیا اور تین سال تک واپس وطن نہ گیا۔ اس دوران وہ اپنی کمائی جوڑتا رہا، تاکہ بچیوں کے لئے اچھا جہیز بناسکے۔ وہ کچھ رقم خرچے کے لئے اپنی بیوی کو بھیج دینا اور باقی رقم سے بچیوں کے لئے جہیز کا سامان خرید لیتا۔ اس طرح تھوڑا تھوڑا کر کے اس نے کافی جہیز اکٹھا کر لیا اور نقد رقم بھی اتنی جمع کر لی کہ واپس گاٹوں جاکر تینوں لڑکیوں کو عزت سے ان کے گھروں کا کرسکے۔ ماسٹر صاحب کے عزیز واقارب کو پتہ چلا کہ ان کا داماد اچھا کما رہا ہے اور ان کے گھر کے مالی حالات بھی سدھر گئے ہیں تو کچھ باعزت کھاتے پیتے گھرانوں سے رشتے آنے لگے۔ بیوی سے خطوط و کتابت جاری تھی، لہذا بیوی نے اسی طرح شوہر سے مشورے کر کے بچیوں کے رشتے طے کر دئیے۔ اب وہ بہت خوش تھا۔ سعید سے فرصت میں اپنے مسئلے مسائل بتا کر کہتا کہ اس کی لڑکیوں کے رشتے بیوی نے اچھے گھرانوں میں طے کر دیئے ہیں۔ وہ اب جاتے ہی ان کے فرائض سے سبک دوش ہو جاتے گا۔ ایک رات وہ کام سے تھکا ہارا آیا اور اپنے کرائے کی قیام گاہ میں سو گیا۔ اس کے دوسرے دو ساتھی اسی قیام گاہ کے دوسرے حصے میں وی سی آر پر فلم دیکھ رہے تھے۔ اچانک انہیں محسوس ہوا کہ جس کمرے میں عمران محو خواب ہے اس طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ وہ جلدی سے دوڑ کر گئے اور بڑی دقت سے جان پر کھیل کر عمران کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ خدا جانے کہ آگ کیسے لگی تھی؟ شارٹ سرکٹ سے یا کسی نے سرکریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا لاپرواہی سے پھینک دیا تھا۔ بہر حال خوشی کی بات یہ تھی کہ عمران بچ گیا تھا، گرچہ وہ کافی جھلس گیا تھا اور حالت خطرے سے باہر تھی البتہ اس کا سامان جلنے سے بچ نہ پایا کیونکہ اس کے ساتھیوں کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ اس کا سامان نکال سکتے۔ وہ اپنا سامان بھی کم ہی بچا پائے کیونکہ آگ لکڑی کے کبین نما گھر میں لگی تھی۔ آگ تو پھر آگ ہے جب پھیلے تو کب سانس لینے کی مہلت دیتی ہے۔ لوگوں نے اپنے ضروری بیگ بچائے کہ جن میں ان کے اقامے اور پاسپورٹ وغیرہ تھے۔ انہوں نے اپنی جانوں کی پروا نہ کرتے ہوئے عمران کا سرکریٹ بیگ بھی آگ سے نکال لیا تھا جس میں اہم دستاویز تھیں تاہم اس کے باقی سامان مثلاً سوٹ کیسوں اور دیگر ڈبوں کو شعلوں کے درمیان سے کھینچ لانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ فون پر اسی وقت سعید کو اطلاع دی گئی۔ وہ کمپنی کی گاڑی پر وہاں پہنچ گئے اور عمران کو اسپتال پہنچایا، جو دھوئیں کی وجہ سے بے ہوش تھا۔ اس کو آکسیجن لگائی گئی اور مناسب علاج معالجہ کی سہولت بھی مہیا کر دی گئی۔ جب اسے ہوش آیا، اس نے پہلا سوال جو کیا وہ یہ تھا کہ کیا میرا ساسان بچ گیا ہے؟ چونکہ دوست اور خیر خواہ اسے اس حالت میں صدمے سے بچانا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے یہی کہا کہ فکر مت کرو عمران! تمہارے سامان کو بھی بچا لیا گیا ہے۔ تم تھیک ہو جاؤ گے تو سامان بھی تم کو مل جائے گا۔ تین دن بعد جب جھلسنے کی تکلیف کم ہو گئی اور وہ حواس میں آگیا، تب اس نے پھر وہی سوال کیا۔ کیا میرا سامان بچ گیا ہے؟ شاید اس کو اپنی زندگی سے زیادہ اپنی محنت سے کمانے اس سامان اور نقدی کی فکر تھی جو اس کی بیٹیوں کی شادیوں کے لئے اس کے نزدیک ایک متاع عزیز تھی۔ جب تک وہ پوری طرح تھیک نہ ہوا، دوست احباب اس کو تسلیاں دیتے رہے کہ فکر مت کرو تمہارا کوئی مالی نقصان نہیں ہوا ہے اور سامان بھی بہ حفاظت ہے۔ ایک ماہ بعد جب وہ صحت یاب ہو گیا تو دوست اس کو اسپتال سے گھر لائے۔ اس وقت بھی اس کی زبان پر یہی فقرہ تھا کہ میرا سامان بچ گیا ہے نا... اب حقیقت نہیں چھپائی جاسکتی تھی، لہذا سعید نے سچ بتانا ہی مناسب سمجھا۔ کہا کہ عمران بیٹا فکر مت کرو۔ تمہارا سامان جل گیا ہے لیکن ہم نے یہ طے کیا ہے کہ سب مل کر تمہارا نقصان پورا کر دیں گے۔ تم پھر وہ سارا سامان خرید لینا۔ کمپنی سے بھی تم کو امداد ملنے کی قوی امید ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے حیران نظروں سے سعید اور اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور کہا۔ اچھا تو اب تک آپ لوگ مجھے جھوٹی تسلیاں دیتے رہے... وہ میرا سامان نہیں تھا بلکہ میری بیٹیوں کے جہیز کا سامان تھا۔ تھیک ہے یہ ساسان پھر لیا جاسکتا ہے لیکن پہلے انسان کی زندگی قیمتی ہوتی ہے۔ شکرو کہ تمہاری زندگی بچ گئی ہے۔ وہ یہ سن کر دوبارہ بیڈ پر لیٹ گیا اور بالکل خاموش ہو گیا جیسے اس کو اپنے نقصان کا سن کر سکنا ہو گیا ہو۔ دوستوں نے بلایا جلا یا سعید نے ڈاکٹر کو بلایا۔ کہا کہ ان کو اپنے سامان کے جلنے کا ابھی پتا چلا ہے۔ شاید صدمے سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔ آپ ذرا دیکھئے ان کو... ڈاکٹر نے دیکھا اور مایوسی سے بولا۔ ان کو سکتے نہیں ہوا بلکہ ان کی روح پرواز کر گئی ہے۔ جسم کے زخم تو صحیح ہو گئے تھے لیکن روح کا زخم گہرا ہوتا ہے صاحب! یہ جسم کے زخموں سے نہیں مرے، بلکہ روح کی تکلیف سبب نہیں سکے۔ عمران کے دوست نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ سامان کے جلنے کا سن کر صدمے سے نہیں سکا میرا پار۔ مزدور دوست کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے مگر اس کا تمام وجود آنسو بن گیا تھا۔ عمران کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ بھلا ایک غریب آدمی جو پائی پائی جوڑ کر اپنی عزت بنانا چاہے وہ اتنا نقصان کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ عمران کی خودداری نے کسی دوست کا احسان بھی لینا گوارا نہ کیا۔ اب سب باتہ ملنے لگے۔ اے کاش ہم یہ بات ابھی نہ بتاتے۔ پہلے سامان خرید کر رکھ لیتے۔ کچھ اور انتظام کر لیتے۔ آہ جس شخص کو آگ ہلاک نہ کر سکی اسے بیٹیوں کے جہیز کے غم نے مار ڈالا۔ کمپنی کے مالک کو سعید نے عمران کے احوال سے آگاہ کیا۔ اس نے عمران کی میت کو وطن بھجوانے کا انتظام کر دیا اور ساتھ ہی اتنی رقم کا چیک بھی اس کی بیوی کے نام دے دیا، جس سے وہ بیوہ اپنی تینوں بچیوں کی شادیاں عزت کے ساتھ کر سکتی تھی۔ اس کی بیوہ اور بچیوں پر جو گزری سو گزر گئی مگر اس کی بیٹیوں کی شادیاں عزت سے ہو گئیں اور ان کو رواج کے مطابق اتنا جہیز دے کر ماں نے رخصت کیا کہ وہ اپنے سسرال میں شان سے سر اونچا کر کے زندگی بسر کر سکیں۔ وہ خود بچیوں کی شادی میں شامل نہ تھا مگر اس کی میت کے ساتھ اتنی رقم اس کی بیوہ کو موصول ہو گئی تھی کہ بیٹیوں کے رشتے ٹوٹنے سے بچ گئے اور باپ کے لہو سے بچیوں کے سرخ سہاگ رنگ جوڑے سنور گئے!]